شیخ نورالدین رشیؒ کے کلام کے درخشاں پہلو

ڈاکٹر سید علی رضا
اسسٹنٹ پروفیسر کشمیریات
پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

SHEIKH NORUDDIN RISHI AND HIS TEACHING

Syed Ali Raza, PhD
Associate Professor of Kashmiryaat
Punjab University Oriental College, Lahore

Abstract

Sheikh Noruddin Rishi is a Kashmiri Sufi poet and representative of true Islamic mystic thought. He is remembered with a number of names. He is Sheikhul Aalam for Muslim and Nund Rishi for Hindus. The article is particularly focused on his contribution to enriching mystic and spiritual tradition and his profound impact on shaping humanism in true manners in Kashmir through his verses called "Shurukhs".

Keywords:

میر سید علی ہمدانیؒ، نورالدین رشیؒ، مدینہ، جموں و کشمیر، ایران، رشیت، اسلامی نظریہ حیات، کشمیری زبان و شاعری، طاؤس بانہالی

ریاست جموں وکشمیر کو اولیا اللہ کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے۔ وادیٔ گل پوش کو یہ لقب اس کے بے مثال روحانی وعلمی تناظر میں دیا گیا مگر عصر حاضر میں کشمیر کی پہچان انتہا پسندانہ سرگرمیوں کے حوالے سے کروائی جارہی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خطہ شروع سے ہی صوفیاء کرامؒ کی آماجگاہ رہا ہے جنھوں نے ہر زمانے میں انتہا پسندی کی بجائے امن وسلامتی کا پیغام دیا۔

سرورِ کائنات آقائے جہاںؐ کا ارشاد ہے ''میری اُمت میں ایسا گروہ ہمیشہ رہے گا جو قیامت تک حق اور خیر پر رہے گا۔''(۱) صوفیا کا یہ گروہ حق وصداقت کی مشعل اپنے ہاتھوں میں تھامے میدانی وریگستانی علاقوں کے ساتھ ساتھ کشمیر کے کوہساروں تک بھی پہنچ گیا۔ یہ سرزمین اولیائے کرامؒ کے حوالے سے بہت ثمر آور رہی ہے، جہاں نہ صرف ماضی میں ایسے بندگانِ خدا موجود رہے جنھوں نے تصوف کی تعلیم وتبلیغ کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں معرفت وہدایت کے چراغ روشن کیے بلکہ آج بھی اس مشعل کی روشنی سے اس خطہ کو منور کررہے ہیں۔ مشہور صوفی شاعر شیخ نورالدین رشیؒ کا شمار بھی ایسے ہی اولیائے کرام میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی تعلیمات سے اہل کشمیر کا تزکیہ نفس کیا۔

حضرت شیخ نورالدین رشیؒ کو کشمیریوں کے قومی صوفی شاعر کا درجہ حاصل ہے۔ آپؒ اپنے زمانے کے مشہور ومعروف عالم اور بلند پایہ صوفی بزرگ ہونے کے ناطے 'شیخ العالم' کا خطاب رکھتے تھے۔ آپؒ نے کشمیر میں تبلیغ اسلام کے لیے بے مثال کام کیا۔ آپؒ کی عظمت کے حوالے سے G.M.D Sufi لکھتے ہیں:

> Sheikh Nur–ud–Din– The light of the faith; is the great national sufi saint of Kashmir.(۲)

صوفی مزید لکھتے ہیں:

> Sheikh Nur-ud-Din, the preceptor of all Rishis was a great devotee and had deep communion with God. He was a man with intuition, had spiritual powers and had a fine mode of speech.(۳)

آپؒ کی عظمت ورفعت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اُس وقت کے مشہور صوفی منش درویش امیر کبیر حضرت شاہ ہمدانؒ سے آپ کی ملاقات رہی ہے اور آپؒ کی تعلیم وتربیت بھی آپؒ ہی کے کہنے پر سید علی سمنانیؒ کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ سید السادات امیر کبیر حضرت شاہ ہمدانؒ سے ملاقات اور وصیت کے حوالے سے چند روایات درج ذیل ہیں۔ عبدالاحد آزاد ''کشمیری زبان وشاعری'' میں لکھتے ہیں:

> جب حضرت سید علی ہمدانیؒ (شاہ ہمدانؒ) دوسری مرتبہ کشمیر تشریف لائے تو ایک دن موضع کیموہ (تحصیل کولگام) جہاں حضرت شیخ سکونت کرتے تھے، شیخ کی عمر اس وقت سات برس

> سے تجاوز کر چکی تھی ۔ایک کریوہ پر اونچی جگہ بیٹھے تھے ۔حضرت امیرؒ نے اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑا اور شیخ کے پاس گئے ۔شیخ آداب بجالاکر متواضع بیٹھے اور حضرت امیرؒ دیر تک شیخ کو اسرار باطنی سے آگاہ کرتے رہے ۔(۴)

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ اپنا مشن پورا کر کے واپس اپنے وطن ایران تشریف لے گئے اور رحلت فرمانے سے پیشتر ایک وصیت اپنے فرزند ارجمند حضرت سید میر محمد ہمدانیؒ کے نام لکھ کر اپنے مرید کے حوالے کر گئے ۔اس وصیت کے بارے میں عبدالاحد آزاد لکھتے ہیں:

> کچھ عرصہ بعد امیر کبیرؒ اپنے وطن واپس تشریف لے گئے ۔رحلت فرمانے کے وقت اپنے فرزند ارجمند میر محمد ہمدانیؒ کے نام کشمیر جا کر حضرت نورالدین رشیؒ سے ملنے کی وصیت تحریر فرما کر اپنے مرید خاص شیخ قوام الدین کے حوالے کر دی ۔(۵)

حضرت شیخ نورالدین رشیؒ کا بچپن میں ہی حضرت امیر کبیر شاہ ہمدانؒ سے اسرار باطنی کا سبق لینا اس بات کی تصدیق ہے کہ حضرت شیخؒ کی تربیت میں حضرت شاہ ہمدانؒ جیسے روحانی پیشوا کا ہاتھ کارفرما رہا ہے ۔اس کے متعلق غلام محمد شادؔ 'علمدار' میں تحریر کرتے ہیں:

> بنیادی طور پر حضرت امیر کبیرؒ نے ہی حضرت شیخؒ کی تربیت فرمائی تھی اور وہ روحانی طور پر یہ تربیت پاتے رہے ۔اس لیے انھوں نے عمر کے آخری حصے میں بھی حضرت امیر کبیرؒ کو ہمیشہ ہی یاد رکھا اور کہا:

نندہ ریشیؒ عرض کور شاہ ہمدانس
جنتس میہٕ یم پالنس ستی (۶)

نندہ رشیؒ کے کلام میں انسان کی زندگی کے ہر پہلو پر بالواسطہ یا بلاواسطہ وہ ہدایات موجود ہیں جن سے نہ صرف ہماری روحانی تشفی کا سامان ہوتا ہے بلکہ ہماری دنیاوی ضروریات کی تکمیل بھی بدرجہ اتم ہوتی ہے ۔اُن کے کلام میں اُس دور کی اخلاقی قدریں سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں ۔ایسی اخلاقی قدریں جو انسانی زندگی کے بنیادی مسائل سے جڑے رہنے کے باعث شاید ہر زمانے میں باقی رہیں گی ۔ان کے کلام میں انسانیت کی معراج کا پیغام بھرپور انداز میں موجود ہے ۔

حضرت شیخ نورالدینؒ مسلک کے اعتبار سے 'رشی' تھے ۔کشمیری زبان میں رشی سے مراد روحانی پیشوا لیا جاتا ہے یعنی ایسا انسان جس نے انسانیت کی خدمت کی خاطر اپنی زندگی عبادت و تفکر کے لیے وقف کر دی ہو ۔

حضرت نورالدین رشیؒ نے اپنے مسلک کے پیش نظر اپنے کلام میں خود غرضی، سنگدلی، تنگ نظری، بدعہدی، خیانت اور ریاکاری سے پاک سبق دیا ہے ۔ذیل میں حضرت نورالدین رشیؒ کے کلام کے چند اہم درخشاں پہلو پیش کیے جاتے ہیں ۔

مساوات: نورالدین رشیؒ نے اپنے کلام میں انسان کے مساویانہ رنگ کو بڑی شدومد سے پیش کیا ہے۔انھوں نے غیر ملکیوں کو جو اپنے کھوئے ہوئے وقار اور مرتبے کو پھر سے حاصل کرنے کے لیے کشمیر آئے تھے اور مقامی مُلا اور برہموں کے ساتھ مل کر برہموں کو اپنے ناجائز مقاصد کے لیے ذات پات کی بنیاد پر انسانیت کو تقسیم کرنے کا ذمہ دار قرار دیا اور ان کے برعکس آپؒ نے مساوات کا درس دیا کیوں کہ اسلام میں ذات پات کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔وہی انسان افضل ہے جو تقویٰ پر قائم ہے۔صوفیا کے ہاں تقویٰ کی بڑی اہمیت ہے اس کے برعکس جو بھی شخص انسانوں میں امتیاز یا ذات پات کا فرق رکھتا ہے اُسے عقل کے منافی ٹھہرایا گیا ہے:

ذات چھے دپاں ذات چھے میانی
تُس عقل نہ بودھ ذانی مو
اُگُن ذات تُس گُمی
پلنگ ذات کانسہِ گُمی مَو(۷)

یعنی اپنی ذات کو اونچا سمجھے جو بھی ذات کی بات کرے/ ہوش وخرد سے بیگانہ ہے کوئی اُسے عاقل نہ کہے
اس دنیا میں سب انسان ہیں سب کی ایک ہی جیسی ذات/ ذات تو اُس دنیا میں کہیے جو جس کے اعمال ہوئے

ایثار: ایثار سے مراد ایک ایسی قربانی ہے جس میں ایک انسان دوسرے انسان کے لیے اپنی خواہش کو قربان کر دیتا ہے۔ایثار کی مثالیں تاریخِ اسلام میں جا بجا ملتی ہیں۔عالم انسانیت میں ہجرت مدینہ کے وقت جو ایثار کی مثال قائم ہوئی اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔صوفیا نے بھی اپنی زندگی میں ایثار کو لازمی جزو بنا رکھا ہے جس کی کئی ایک مثالیں اُن کی زندگی سے دی جا سکتی ہیں۔دنیائے تصوف کے مشہور صوفی بزرگ نورالدین رشیؒ نے بھی اپنے کلام کے ذریعے عالم انسانیت کو ایثار کا درس دیا ہے۔جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

یارَے آسہِ تے تس سرِ زے
یا چھوی وِزے وِزے پربھات
ژلس ژمترے اوہ کتہِ نیرے
وقتے رچھس کرزے کیات(۸)

یعنی دوست اگر ہے آپ کا کوئی اُس پر کیجیے جاں نثار/ مطلع فجر بھی دوست کو کہیے، دوست ہی ٹھہرے شب کی سحر
مٹی میں مل جائیں گے تو یا دبہت آئیں گے یار/ ہم بےبس اور وقت کی سواری ہے بےقابو اور زورآور

حضرت رشیؒ نے بڑی خوبصورتی سے اپنے کلام میں ایثار کی مثال دی ہے کیونکہ اسلام میں اس کو بڑی فضیلت حاصل ہے۔آپﷺ سراپا ایثار تھے۔"ایک دفعہ آپﷺ کے پاس چادر نہ تھی۔ایک صحابیہ نے لا کر پیش کی۔اس وقت ایک صاحب نے کہا، کیسی اچھی چادر ہے آپﷺ نے فوراً اُتار کر اُن کی نذر کر دی۔"(۹)

فرض سے غفلت: نورالدین رشیؒ نے اپنے کلام میں عمل پر بڑا زور دیا ہے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ انسان کی موجودہ زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جس میں موجودہ زندگی کے اعمال کی جزا یا سزا دی جائے گی یعنی ذرہ ذرہ کا حساب کتاب ہوگا۔اس لیے انھوں نے اپنے کلام میں انسان کو نیک اعمال کرنے کی دعوت دی ہے، خاص کر جوانی میں:

ھارس نِنیدر پیمِ یامت دوہ گوم
کارس دوہ گرزٔ آم نہ اکھ
آدنک کرے تے کارن ویہہ گوم
تھ پتھانس ھیوم نہ سکھ(۱۰)

یعنی ہاڑ مہینے کے دن لمبے سوتے سوتے ہوگئی شام/کام کے دن تھے جتنے اُن میں کیا نہ کوئی کام کا کام
عہد جوانی میں کرنے کے کام جو اچھے تھے، نہ کیے/ جو منزل کی طرف جاتی تھی نہیں لیا اُس راہ کا نام

غرور و تکبر: غرور اور تکبر دونوں ایسے عناصر ہیں جو انسان کے تمام اعمال کو تباہ کر دیتے ہیں۔تاریخ اسلام کے علاوہ بھی تاریخ انسانیت کے ورق اس امر کے شاہد ہیں کہ جب بھی کسی فرد یا قوم نے خود پر یا اپنی ذات یا اپنے علم پر غرور کیا تو جلد ہی اُس کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔صوفیا کی تعلیمات کسی ایک فرد یا قوم و گروہ کے لیے نہیں ہوتیں وہ پوری انسانیت کے لیے ہوتی ہیں۔ان کی تعلیمات میں پوری انسانیت کے لیے خیر خواہی ہوتی ہے۔رشیت کے نمائندہ صوفی شاعر نند ہ رشیؒ نے بھی اپنی شاعری کے ذریعے موذی مرض سے بچنے کی تلقین کی ہے:

عٲلِم پٔرتھ زونٛگھ اُسِء گے ویٚتھی
تم یٔتھ گوگل ٹیٚکھی گیٔ
یم ماتم ھیتھ اندون بیٚٹھی
تم مل آستھ پٔیٚٹھی گے(۱۱)

یعنی علم پڑھیں اور اپنے علم کے موٹاپے پر اترائیں/ان کے علم کا موٹاپا، کڑوا ہٹ موٹے شلجم کی
عالم وہ جو علم کو تج کر دور بنوں میں جا بیٹھے/ وہ لاغرانِ علم کی تو ندوں پر ہر طرح سے ہیں بھاری

نفس پرستی: حضرت رشیؒ اپنے کلام میں انسان کو اپنے مقصد کی بجائے غفلت میں ڈوبا ہوا بتاتے ہیں۔انھوں نے اس تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انسان اپنی جوانی عیش وعشرت اور رنگین مزاجی میں گذار دیتا ہے۔جوانی کے نشے میں وہ اپنی زندگی کے مقصد اور اپنے رب سے غافل رہتا ہے لیکن جب بڑھاپا آتا ہے یا وقت گزر جاتا ہے تو اُسے اپنی کوتاہیوں کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔

نفسی کوڈس اَٹی اَٹی
نفسی کورس پشیمان
نفس چھوی مَدھہ ھوس ہانگل ژٹی
نفس یمء روٹ ووت لامکان(۱۲)

یعنی نفس نے مجھ کو خوار کیا بدنام کیا/نفس کے ہاتھوں آج پشیماں پھرتا ہوں
توڑ ندو ے زنجیر کہیں یہ مدھ ماتا/ اِس ہاتھی سے میں تو ہراساں پھرتا ہوں

انسان کو نفس پرستی نے اندھا کر دیا ہے وہ ہر وقت فانی دنیا کے بارے میں سوچتا رہتا ہے یعنی غفلت میں ڈوبا ہوا۔قرآن پاک نے بھی ایسے لوگوں پر بار بار تنقید کی ہے ۔اسی بات کی طرح حضرت رشیؒ یوں اشارہ کرتے ہیں:

ہے منہ موت چھُکھ مُہس
موت چھکھ لاَ گتھ وانی
نفس چھوی پھرواں ڈُوھس
پٹ چھے گنڈمژ لانی
تھپ چھوی دیاواں گوھس
عقلہِ ہنر لیتھ نہ وانی(۱۳)

یعنی ہوس کا اندھا پن ہے حرص ہے تجھ پر طاری/ ڈھن کی ڈھن میں مگن ہے تو جیسے بیوپاری
نفس تجھے دوڑا ئے دن بھر آگے پیچھے/پٹی آنکھوں پر ہے عقل پہ پردہ بھاری
جہاں ہو فضلہ، گوبر مارے ہاتھ وہیں پر/عقل انساں کا زیور اور تو عقل سے عاری

انسان دنیا میں مال و متاع اکٹھا کرنے کے لیے ہر نا جائزہ عمل کرتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ دنیا دو گھڑی کی ہے اور یہاں کا مال و متاع یہیں چھوڑ جانا ہے۔حضرت نوح علیہ السلام نے تو اسی فکر میں کہ کل موت آجاتی ہے ساری عمر کوئی مال و متاع اکٹھا نہیں کیا تھا کیوں کہ انسان کے ساتھ اگر کچھ جانا ہے تو وہ اس کے اعمال ہیں اور اس کا اظہار نورالدین رشیؒ اپنے کلام میں یوں کرتے ہیں:

یُن گراَہ گوھن گراَہ
کانگرء گوھم پتّن بکھ
لدتھ وکھتھ ووگن لگراہ
ژے مرکھ تہ یہ کس بکھ(۱۴)

یعنی پل دو پل ہے اس دنیا میں آنا جانا/اس ماندہ جسم کی حاجت دیکی کانگڑی کی حدت
اتنا اونچا محل بنایا، یہ نہ کسی نے سمجھایا/مرجانے پر تیری عمر کا یہ حاصل کس مصرف کا

نفس امارہ کی آنکھ ہر وقت انسان کو اللہ کی نظر میں ذلیل ورسوا کرنے کی طرف لگی ہوئی ہے۔ یہ ایک بہکا ہوا ہاتھی ہے جس پر قابو پانا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس سے وہی بچتا ہے جس پر اللہ کا خاص کرم ہوتا ہے۔ اس حوالے سے آپؒ فرماتے ہیں:

نفس میونوی چھوی مدھ ھوس تے
اَمِ ھس منگم کتاہ تل
ساس منزے اکھاہ لوس تے
مٔتہ اَمِ ھینم ساریٔ تل (۱۵)

یعنی بہکا ہوا مدھ مست نشیلا میرے نفس کا ہاتھی/اپنے ہی کس بل کو دیکھا اس کو پڑی ہے اپنی
کہیں ہزاروں میں ایک آدھ بچا ہے زد سے اس کی/ورنہ اس کے پیروں تلے کچلے ہی گئے سب ساتھی

عقل وشعور: حضرت شیخؒ کی شخصیت کثیرالجہات ہے انھوں نے اپنے کلام کے ذریعے عقل وشعور کا پرچار بھی کیا تا کہ انسان کی عظمت اور انسانی اقدار کا ہر طرف بول بالا ہو۔ اُن کا کلام عقل وشعور سے مزین ہے جس کا ایک نمونہ درج ذیل ہے:

خبر ژھٕ تھوٗنے نہ رٔوحس
تھوگہ چانہٕ اَتھ پار زاٗنی
ناوہ تھف کر تو نُوحٕن
سوورس تھاہ گتہ جاٗنی (۱۶)

یعنی ہوش وخرد اس کو کہتے ہیں یہی ہے بس عقل اور شعور؟/اب بھی وقت ہے تھام سکو تو تھام لو نوحؑ کی کشتی کو
ساری عمر حواس تمہارے رہے ہیں روح سے اتنی دُور/ناممکن ہے گہرائی سمندر کی تم از خود پا بھی سکو

اعمال حسنہ: نندہ رشیؒ کی ابتدائی زندگی سے ہی معلوم پڑتا ہے کہ آپ ایک پاک باز شخصیت کے مالک تھے۔ آپؒ ہمیشہ نیک اعمال کرتے رہے اور اپنے اردگرد کے لوگوں کو بھی نیک اعمال کی دعوت دیتے رہے۔ اُن کے نزدیک ہمیشہ کی زندگی کا راز نیک اعمال ہی ہیں۔

نیکی ایک واحد عمل ہے جو کبھی رایگاں نہیں جاتا۔ شیخ رشیؒ کی شاعری میں نیک اعمال پر بڑا زور دیا گیا ہے جس کی ایک مثال درج ذیل ہے:

پھولے وٗدکھ دٕہ پھل بُودنے
دولت برتل نہ یوٗنی ذاتٕ

خدائے ییڈ ٹھنے نہ کو نژھ گھے
نیکی کرنے چھوٹیء کیاَت(۱۷)

یعنی بیج اگر نیکی کا بوئے ایک کے دس دانے مل جائیں / نیکی کرتے کچھ نہیں گھٹتا نہیں ہے نیکی میں نقصان
ایسی گھر آئی دولت کو فقط مقدر والے پائیں / کون ایسی خوبی ہے تجھ میں کہاں کا ہے ایسا گنوان

حضرت شیخ العالمؒ کی تعلیمات قرآن وسنت کے عین مطابق ہیں۔وہ انسان کے اعمال ہی کو اُس کا اصل اثاثہ قرار دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ انھی اعمال کی بدولت ہی انسان اچھا یا برا بنتا ہے۔''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''ہر انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔اگر غور کیا جائے تو عمل ہی ایک ظاہری شکل وصورت ہے جو آنکھوں کو نظر آتا ہے اگر چہ اس کے علاوہ کئی ایسے اعمال بھی ہیں جو ظاہری طور پر نظر نہیں آتے جن کی طرف قرآن نے بھی اشارہ کیا ہے اور اس کی تفسیر میں امام غزالیؒ نے اعمال کی تین اقسام بتائی ہیں۔شیخ رشیؒ نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا ہوا تھا تبھی تو وہ عمل کے حوالے سے کہہ اُٹھتے ہیں:

سیدیم ڈیتھ تھون پُرو پکارس
نارس سلر ذوجھے ژھٹس تے
سوٗیم کرن جگن روز گارس
تم سمسارس سہر زمیں تے(۱۸)

یعنی خیر اور سچائی کے عمل پر جن کے دل مرکوز ہیں / یہی وہ لوگ کہ جلتی آگ کو جو پانی سے بجھاتے ہیں
روزی کی خاطر محنت رازق کی عبادت جن کا شعار / جینا اُن کا جینا ہے وہ رازِ حیات کو پاتے ہیں

بعض کام اللہ کی خوشنودی کے لیے کیے جاتے ہیں نا کہ ثواب کے لالچ میں۔ایسے کاموں کا اللہ صلہ یعنی ثواب بھی زیادہ دیتا ہے۔حضرت رشیؒ نے بھی اسی عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں کسی کی مدد کرنی چاہیے خواہ وہ کوئی کسی بھی ذات کا ہو،کسی بھی مذہب سے ہو،ہمیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے غرض ہو تو صرف یہ کہ میرا رب مجھ سے خوش ہو جائے۔شیخ العالمؒ نے حقیقت میں اپنے کلام کے ذریعے پوری انسانیت کو اسلام کا ہی درس دیا ہے:

تکیہ ییے تہ بوچھس بھوزن وزے
تٔس گریش زہ نہ کیا بچھے ذات
ثواب ساسے گٔن پراوِ زے
یہ بھایہ تندہ کریتھ راوِو نہ ذات(۱۹)

یعنی کرپاؤ بھوکے ننگےمحتاجوں کی مدد کرو/کون ہیں اور کیا ذات ہےاُن کی یہ نہ کبھی اُن سے پوچھو
اتنا یاد رہے ایک اچھے کام کے ہونگے ہزار ثواب/ جو بھی اچھا کام ہو تم اُسے مت بیکار سمجھو

سچ گوئی: سچائی ہر مذہب کا جوہر ہے اور تمام اخلاقی اقدار کی بنیاد ہے۔اسی لیے شیخؒ نے ہر جگہ جھوٹ کی مذمت کی ہے۔کلام شیخ العالمؒ زیادہ تر اخلاقی ہے۔اخلاقی قدریں قوانین کی طرح نہیں ہوتیں کہ جن کو نافذ کیا جا سکے بلکہ یہ قوانین سے زیادہ طاقتور ہوتی ہیں۔ان کی طاقت اس گہرے عقیدے میں مضمر ہے کہ انسانی اعمال کی جانچ پڑتال کسی فوق البشر قوت سے ہوتی ہے جسے ہمارے چھوٹے سے چھوٹے پوشیدہ اعمال کا پوری طرح سے علم ہے۔یہ عقیدہ اس ایمان پر استوار ہے کہ ہر شخص اس قوت کے سامنے جواب دہ ہے اور یہ صورت حال ہم میں سے ہر ایک کے لیے ناگزیر ہے۔یہ اعتقاد کہ انسان اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہے اور اسے جزا یا سزا پانا ہی ہے،اس اخلاقی نظام کا بنیادی ستون ہے جس کی وضاحت اور عکاسی حضرت شیخؒ کی شاعری کرتی ہے۔چنانچہ وہ اپنے کلام میں حق گوئی کی ہی تلقین کرتے ہیں:

پوزٕ دپاں پَن زن ٹھاکھ
اپزٕ دپاں ٹگی ٹس
مُحمد ترٲوِتھ ابلیس رٹکھ
خدائے ویو توی کھٹکھ کس(۲۰)

یعنی سچ بولو تو تھر تھر کانپو/جھوٹ مزے لے کر بولو
نبی ﷺ کو چھوڑ کر تم ابلیس کی پیروی میں ہو؟/ دیکھ رہا ہے رب اُس سے ڈرو

مزید فرماتے ہیں:

بو کیاہ مٔتگے قلا قندس
ہندتہ ہاکھ چھم چھوتوی مانچھ
بھنگہ مرٕاہ ژھتم و ندس
دیوٗ بندس گوژھیم شرمہ راچھ(۲۱)

یعنی مجھ کو میٹھی شے کیا جانے قلا قند میری بلا/یہ کاہو اور ساگ تو مجھ کو جیسے شہد کے ہیں چھتے
رحم مجھ پر کرداتا اور میرے دل پر ایک نظر بھی/شاید تیری نگاہ کرم سے اس عاجز کی لاج رہے

معرفت حق: حضرت ریشیؒ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم مبلغ اسلام بھی تھے انھوں نے اپنے مسلک رشیت کو قرآن وسنت اور شریعت سے ہم آہنگ کیا اور پھر وہاں کے لوگوں کی نفسیات کے پیش نظر تبلیغ اسلام کا جامع طریقہ اختیار کیا۔انھوں نے اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے مالک کی پہچان کا درس دیا۔انسانی زندگی کا حقیقی مقصد بھی اپنے رب کی پہچان ہی ہے اور اس کا ذکر اُن کے کلام میں بارہا آیا ہے۔

رزق چھوی برونہہ تے موت چھوی پتے
دنیا چھو شہرک اُتے گتھ
سُرن بھگی تہ گارُس وَتے
یوز چھے روزان نیک بد کتھ (۲۲)

یعنی تو بھاگے روزی کے پیچھے تیرے پیچھے موت کھڑی/ اس بازار کی بھیڑ میں بابا سب کو اپنی اپنی پڑی
اپنے مالک کو پہچان اور اُس منزل کا رستہ ڈھونڈ/ نیکی اور بدی دو باتیں، بات رہے تو بات بڑی
مزید لکھتے ہیں:

گیان یَس ووت زَن تَس تجِی
تُو کرِو ہرس ژ ٹیتے باو (۲۳)

یعنی گیان عرفان جسے ہے حاصل/ اُس کے ہاتھ رہا میدان

معرفت حق تک رسائی کے لیے صوفیا عشق و محبت کے قائل ہیں۔ عشق ہی ہے جو انسان کی اللہ تک رسائی کرواتا ہے اور جب یہ جذبہ عام آدمی کے اندر اُبھرتا ہے تو اُس کے اندر سے دنیا کی محبت مٹ جاتی ہے۔ بالآخر وہ ہر دم اپنے مالک حقیقی کا ہی طالب بن جاتا ہے۔

آخرت کی فکر: موت ایک اٹل اور تلخ حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے۔ جو انسان اس دنیا میں آتا ہے اُس نے جانا بھی ہے۔ ہر چیز کی ایک خاص مدت ہے جس کے بعد اُس نے فنا ہو جانا ہے۔ اس کائنات کو بھی موت ہے اور اس میں ہر ذی روح کو بھی اس لیے اس کے بعد کی دنیا کی فکر لازمی ہے۔ اس حوالے سے شیخ العالمؒ فرماتے ہیں:

کالِ بُجھ وَسنم نالہ موت ھینم
گرشن عملہ تہ کیاہ چون ناو
ژھبہ تے گٹے اشدر وسنم
کوسہ میانِ عمل تہ کیاہ میون ناو (۲۴)

یعنی آخر آمنا سامنا ہوگا آئے گا وہ سخت مقام/ جب اعمال کو پوچھا جائے گا لے لے کر میرا نام
روزِ جزا کی حشر گھڑی بس میری آنکھیں برسیں گی/ مجھ بدنام کے یہ اعمال ہیں کیا ہوگا میرا انجام

موت اٹل حقیقت ہے: ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑے گا اور پھر اس کے بعد وہ اس فانی دنیا میں کبھی نہیں آسکے گا سوائے اللہ کے حکم کے اس موضوع کا ذکر آپؒ نے یوں کیا ہے:

یس اورہ یمن یور وی
تسے عالم ووہ لسی مو

ڈاین گژن لیس ڑی
سوے ولی آسے کھسی مو(۲۵)

یعنی جس پر موت کا پرچہ اُترے/ دنیا روئے وہ نہ جئے
کوئی بھی ہو پھر کبھی نہ اُبھرے/ جس کو دھرتی کھا جائے

انسان نے اس کائنات کو ہی اصل گھر سمجھ لیا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔انسان کا اصلی گھر اور قیام آخرت میں ہے۔آپؒ کے کلام میں اس امر کا ذکر یوں ملتا ہے:

آخر تو ز گوھن چھوے
ـتھ زلیس ہو پڑھ آئے(۲۶)

یعنی آخر اپنے گھر جائیں گے/ ہم مہمان ہیں اس گھر کے

المختصر حضرت شیخ نورالدین رشیؒ نے حقیقت مطلق کے متلاشیوں کو ہدایت کی مشعل دکھائی۔ایک مقبول عوامی قائد کی حیثیت سے انھوں نے عدم تشدد اور مذہبی رواداری کو کشمیری قومی سوچ کے بنیادی اجزا بنا دیا اور ایک باصلاحیت منتظم کی حیثیت سے انھوں نے خطہ کشمیر کے ہر حصہ میں اپنی تنظیم کی تشکیل کی۔انھوں نے کشمیر کی تمدنی روایات کو زوال پذیری کے نازک مرحلے میں ایک نئی سمت عطا کی۔آپ ایک ایسے وقت میں کشمیری زبان کے بہی خواہ کے طور پر سامنے آئے جب اس کے وجود کو لسانی سطح پر خطرہ لاحق تھا۔ آپؒ نے عام شاعروں، افسانہ نگاروں، ڈرامہ نگاروں، ادیبوں کی طرح صرف اپنے کلام کو سنوارنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ انسان کو سنوارنے کی بھی کوشش کی۔اُن کی تمام تعلیمات وشاعری کا محور انسان ہے۔انسانیت کے اپنے کچھ فطرتی اصول وضوابط ہوتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہی انسان اشرف بنتا ہے اور انسانیت کی معراج پاتا ہے۔

نورالدین رشیؒ اپنے زمانے میں بھی تنقید کا نشانہ بنتے رہے اور بعد میں بھی مخالفین نے آپ کی زندگی کو اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی جس سے آپ انسانوں کے زمرے سے باہر محسوس ہوں اور لوگوں کی دلچسپی آپ میں کم ہو جائے مگر آج اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ آپ کے کلام سے مخلوق خدا کی ہمدردی، حرص وہوس، ظلم وستم، لالچ ونفرت، فساد، نفس پرستی جیسے موضوعات کو منظر عام پر لایا جائے تا کہ آنے والی نسلیں اس عظیم صوفی بزرگ کی فکری وشعری خدمات سے مستفید ہو سکیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی ۲۰۰۶ء، ص: ۵۵

(۲) Sufi, G.M.D. Kasheer, Vol-1, Punjab University Press, 1948, P:98

(۳) Ibid, P:100

(۴) آزاد، عبدالاحد، کشمیری زبان و شاعری، جلد: ۲، جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر ۱۹۸۳ء، ص: ۱۸۱

(۵) ایضاً، ص: ۱۸۱

(۶) حامدی کشمیری، پروفیسر، علمدار، بحوالہ استناد اجازت نامہ حضرت میر محمد ہمدانیؒ از غلام محمد شاد، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر ۲۰۰۰ء، ص: ۳۷۰

(۷) طاؤس بانہالی (مترجم)، ریشی نامہ، لوک ورثے کا قومی ادارہ، اسلام آباد ۱۹۸۰ء، ص: ۱۵۵

(۸) ایضاً، ص: ۱۴۵

(۹) خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی ۲۰۰۶ء، ص: ۱۷۷

(۱۰) طاؤس بانہالی (مترجم)، ریشی نامہ، لوک ورثے کا قومی ادارہ، اسلام آباد ۱۹۸۰ء، ص: ۱۵۶

(۱۱) ایضاً، ص: ۱۵۸ (۱۲) ایضاً، ص: ۱۶۰ (۱۳) ایضاً، ص: ۱۷۰

(۱۴) ایضاً، ص: ۲۲۴ (۱۵) ایضاً، ص: ۱۲۳ (۱۶) ایضاً، ص: ۱۷۲

(۱۷) طاؤس بانہالی (مترجم)، ریشی نامہ، لوک ورثے کا قومی ادارہ، اسلام آباد ۱۹۸۰ء، ص: ۱۷۲

(۱۸) ایضاً، ص: ۲۱۸ (۱۹) ایضاً، ص: ۲۱۶ (۲۰) ایضاً، ص: ۴۸

(۲۱) ایضاً، ص: ۴۴ (۲۲) ایضاً، ص: ۴۶ (۲۳) ایضاً، ص: ۵۰

۲۴۔ ایضاً، ص: ۸۰

۲۵۔ غلام نبی گوہر، شیخ نور الدین ولی، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی ۱۹۹۶ء، ص: ۶۰

۲۶۔ ایضاً، ص: ۶۶